OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

موانعِ اِرث: اصولیین کا اختلاف اور فقہا کی تطبیقات

Barriers to Inheritance: Disagreement of '*Usuliyyīn* and Jurisprudential Implications

Muhammad Mahfooz
Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Sargodha
Dr. Muhammad Feroz-ud-Din Shah Khagga
Assistant Professor of Islamic Studies, University of Sargodha

Abstract

In the Islamic jurisprudence, law of inheritance has been deduced by Quran and Sunnah. This system of divine division of the inheritance of diseased person to his progeny in *usūl* and *furū'* has an amazing philosophy behind it. The key feature of this law is the imperative determination of shares. After having gone through the injunctions regarding inheritance, an equilibrium and justified shape of share distribution appears without any exploitation. However, in this law, some impediments have also been described like denunciation of religion, apostasy, murder and slavery etc. In this article, we have discussed the reasons of deprivation of inheritance (impediments) according the opinions of Islamic jurisprudential experts while exploring the causes of their divergences in determining the impediments. As an ample of variant stand points among the Muslim scholar are reported and occurred about fixing the number and reasons of *"mawāni' al-irth"*. For this purpose, fundamental sources have been applied and an effort has also been rendered to highlight the preferred standing.

Key Words: Islamic law of inheritance, *mawāni' al-irth, Impediments, Wirathah. Shareholders*

CC BY

تمہید

اسلامی علوم وفنون میں واضح اور ٹھوس دلائل پر مشتمل ایک ممتاز اور مضبوط فن کا نام ''علم میراث'' ہے، یہ علم تقسیم ترکہ کے تمام قوانین وضوابط پر مشتمل ہے اور ان میں سے ایک ضابطہ یہ ہے کہ ایک وارث کو اس کے ذاتی وصف کی بنا پر کلی طور پر یا اس کو کسی دوسرے وارث کی وجہ سے جزوی یا کلی طور پر ترکہ سے محروم کر دیا جائے، پہلی صورت کو ''حجب بالوصف'' اور دوسری قسم کو ''حجب بالشخص'' کہتے ہیں، جبکہ مذکورہ بالا عنوان ''موانع ارث'' میں ''حجب بالوصف'' کے موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جاتی ہے۔ یہ موضوع، بلکہ سارا ''علم میراث'' خالص مذہبی اور عملی چیز ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں چند عبادات کو کامل دین سمجھتے ہوئے ان مذہبی ہدایات پر عمل کرنے میں اس قدر غفلت پائی جاتی ہے کہ شاید کسی کو مستثنیٰ نہ کیا جا سکے، الا ماشاء اللہ، عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بڑا سرمایہ چھوڑ کر فوت ہونے والے کی فوتگی کے چند دن بعد اس کے لواحقین میں بے چین کر دینے والا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس جہت کے بعض پہلوؤں کی درستی کے لیے اس مضمون کا انتخاب کیا گیا۔ اردو زبان میں لکھی جانے والی تالیفات وتصنیفات میں متعلقہ مسلک کی آراء کے مطابق اختصار کے ساتھ ''موانع ارث'' کا ذکر کیا جاتا ہے، ہم نے نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں اس عنوان کے جملہ احکام ومسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے تمام ائمہ وفقہاء کی آراء کا ذکر کیا اور پھر ان کے مابین تقابل اور مقارنہ کرتے ہوئے راجح رائے کا تعین بھی کیا، ''موانع ارث'' کتنے اور کون کون سے ہیں؟ یہ اصولیین اور فقہاء کے مابین اچھا خاصا مختلف فیہ مسئلہ ہے، اس مضمون میں تمام آراء کا ذکر کیا جائے گا، البتہ تمام اہل علم کا اِن تین موانع پر اتفاق رہا ہے: غلامی، قتل اور اختلافِ دین۔

لغوی تعریف

''مَوَانِع'' کی واحد ''مانِع'' ہے، یہ باب ''فَتَحَ يَفْتَحُ'' سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معانی یہ ہیں: حائل، دو چیزوں کے درمیان حائل پردہ، کسی کو کسی چیز سے محروم رکھنے والا، روکنے والا، باز رکھنے والا، پابندی لگانے والا، پناہ دینے والا، حفاظت کرنے والا۔ (پناہ دینے والے اور حفاظت کرنے والے کو مانع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس شخص سے آفات اور مصائب کو روکتا ہے)۔

اصطلاحی تعریف

وارث میں پایا جانے والے ایسے وصف کو مانع کہتے ہیں، جو اس کو ترکہ سے کلیۃً محروم کر دیتا ہے۔ شیخ جرجانی (م816ھ) نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا: اَلْمَانِعُ مِنَ الإِرْثِ عِبَارَةٌ عَنْ اِنْعِدَامِ الْحُكْمِ عِنْدَ وُجُوْدِ السَّبَبِ۔ ......مانعِ میراث سے مراد سبب کے پائے جانے کی وجہ سے حکم کا منعدم ہونا ہے۔[1] عام طور پر فنِ میراث کی اصطلاح میں جس وارث میں ایسا وصف پایا جائے، جو اس کو ترکہ سے کلی طور پر محروم کر دے، اس کو محروم اور ممنوع کہتے ہیں، ایسا آدمی نہ خود میراث کا مستحق ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے پر اثرانداز ہوتا ہے، اس کو یوں نکال کر مسئلہ حل کیا جاتا ہے کہ گویا کہ یہ موجود ہی نہیں ہے، البتہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بعض صورتوں میں اس کو حاجب بنانے کے قائل ہیں۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی (م1436ھ) نے مذکورہ بالا امور کو یوں قلم بند کیا: مانع کا لغوی معنی حائل اور اصطلاحی تعریف یوں ہے: مَا يَنْتَفِيْ لأَجْلِهِ الْحُكْمُ عَنْ شَخْصٍ لِمَعْنًى فِيْهِ، بَعْدَ قِيَامِ سَبَبِهِ ۔......مانع وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعے آدمی کے اندر پائے جانے والے وصف کی بنا پر حکم کی نفی ہو جاتی ہے، حالانکہ سبب موجود ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو محروم کہتے ہیں، ذاتی وصف کی قید لگانے

سے وہ آدمی اس تعریف سے خارج ہو جاتا ہے، جو کسی دوسرے کی وجہ سے میراث سے محروم ہو، اس کو محجوب کہتے ہیں اور سبب کی قید لگانے سے وہ آدمی خارج ہو جاتا ہے، جس کے اندر یہ سبب موجود نہ ہو، جیسے اجنبی۔[2]

موانعِ ارث کی تعداد

موانعِ ارث کتنے اور کون کون سے ہیں؟ اس کے بارے میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی (م1436ھ) نے جامع ومانع خلاصہ پیش کیا ہے، ہم پہلے وہ قلم بند کرتے ہیں، پھر معتبر موانع کا بسط وتفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے: میراث کے درج ذیل تین موانع پر فقہا کا اتفاق ہے:

(1)......غلامی (2)......قتل اور (3)......اختلافِ دین

محمد بن علی الرحبی الشافعی (م577ھ) نے ان تین موانع کا ذکر کرتے ہوئے اپنے منظوم کلام میں کہا: وَيَمْنَعُ الشَّخْصَ مِنَ الْمِيْرَاثِ وَاحِـــدَةٌ مِنْ عِلَلٍ ثَلَاثٍ رِقٌّ وَ قَتْلٌ وَ اخْتِلَافُ دِيْنٍ فَافْهَمْ فَلَيْسَ الشَّكُّ كَالْيَقِيْنِ تین علتوں میں سے کوئی ایک علت بندے کو میراث سے محروم کر دیتی ہے: غلامی، قتل اور اختلافِ دین، پس تو سمجھ لے، کیونکہ شک یقین کی مانند نہیں ہوتا۔ باقی موانع میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے: احناف نے چار مشہور موانع کا ذکر کیا ہے: (1)...... غلامی، (2)...... قتل، (3)...... اختلافِ دین اور (4)...... اختلافِ دار۔ اول الذکر دو اسباب متعلقہ محروم شخص کو صرف دوسرے کا وارث بننے سے روکتے ہیں (یعنی غلام اور قاتل خود تو وارث نہیں سکتے، لیکن جب یہ خود مر جائیں گے تو ان کا وارث بنا جائے گا)، جبکہ متاخر الذکر دو اسباب دونوں جانبوں سے وارث بننے سے مانع ہیں، یعنی نہ کافر مسلمان کا وارث بن سکتا ہے اور نہ مسلمان کافر کا اور یہی معاملہ اختلافِ دار کا ہے۔ جنابِ قدوری (م428ھ) نے کہا: ولا يرث أربعة: المملوك والقاتل من المقتول والمرتد وأهل الملتين۔...... چار افراد وارث نہیں بن سکتے: غلام، قاتل، مرتد اور دو مختلف ادیان والے۔[3] احناف نے دو عدد موانع کا اضافہ کر دیا ہے، اس طرح ان کے نزدیک موانع کی تعداد چھ ہو گئی ہے۔ جن دو کا اضافہ کیا، وہ یہ ہیں:

(1)...... ایک ہی وقت میں فوت ہونے والے وارث و مُورِّث حضرات کی وفات کی تاریخ (یعنی وقت) کا علم نہ ہونا، جیسے ایک وقت میں غرق ہونے والے، جل جانے والے، دیوار وغیرہ کے نیچے آکر مر جانے والے اور قتل ہو جانے والے۔

اس چیز کو مانع قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ میراث کی شرط یہ ہے کہ مُورِّث کی موت کے وقت وارث بقیدِ حیات ہونا چاہیے، لیکن اس موقع پر اس شرط کے پورا ہو جانے کا کوئی علم نہیں ہے اور شک کی بنا پر تو توارث کا سلسلہ نہیں چل سکتا۔

(2)...... وارث کا علم ہی نہ ہونا اور اس کی کل پانچ یا زائد صورتیں ہیں اور ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(اَ)...... ایک خاتون نے اپنے بچے کے ساتھ کسی اور بچے کو بھی دودھ پلایا پھر وہ مر گئی اور اب اس چیز کا پتہ نہیں چل رہا کہ ان دو بچوں میں اس کا اپنا بچہ کون سا ہے، نتیجتاً ان میں سے کوئی بھی اس خاتون کا وارث نہیں بنے گا۔

(ب)...... ایک مسلمان اور ایک کافر دونوں نے اپنے بچوں کے لیے ایک دایہ اجرت پر حاصل کی، وہ دونوں بچے اس کے پاس رہے اور بڑے ہو گئے، پھر مسئلہ یہ پیدا ہو جائے کہ یہ شناخت ہی نہ ہو سکے کہ مسلمان کا بچہ کون سا تھا اور کافر کا کون سا، ایسی صورت میں دونوں بچے مسلمان ہوں گے، لیکن وہ دونوں اپنے اپنے والدین کے وارث نہیں بن سکیں گے، الا یہ کہ وہ دونوں مصالحت کر لیں تو پھر ان کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ آپس میں میراث تقسیم کر لیں۔

بعض حنفیہ نے نبوت کو ساتواں مانع قرار دیا ہے، اس کی دلیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ دلیل ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ((لاَ نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ-))...... "ہم (انبیائے کرام کی جماعت) مُورِّث نہیں ہوتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔" ہر انسان وارث بھی ہوتا ہے اور مُورِّث بھی، لیکن انبیائے کرام نہ وارث بنتے ہیں اور نہ مُورِّث۔ لیکن حق بات یہ ہے نبوت، موانعِ ارث میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کے مطابق نبوت مُورِّث کی صفت ہے، جبکہ مانع وہ وصف ہوتا ہے، جو وارث میں پایا جائے۔ مالکیہ نے مندرجہ ذیل دس موانع میراث ذکر کیے ہیں: (1)...... اختلافِ دین، (2)...... غلامی، (3)...... قتلِ عمد، (4)...... لعان، (5)...... زنا، زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ اور اس کا باپ، یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے، (6)...... مُورِّث کی موت میں شک، جیسے قیدی اور مفقود، (7)...... حمل، ولادت تک مال کو موقوف رکھا جائے گا، (8)...... پیدا ہونے والے بچے کی زندگی کے بارے میں شک ہونا، اگر بچہ ولادت کے وقت چیخ مارتا ہے اور پھر فوت ہو جاتا ہے تو وارث بھی ٹھہرے گا اور مُورِّث بھی، اس مذہب کے مطابق بچے کی کسی اور حرکت یا چھینک وغیرہ کو چیخنے کے قائم مقام نہیں سمجھا جائے گا، الا یہ کہ ایسی حرکت کافی دیر تک رہے یا بچہ دودھ پیے، (9)...... مُورِّث یا وارث کی موت کی تقدیم و تاخیر کے بارے شک ہونا، جیسے دو آدمی دیوار کے نیچے آکر مر گئے یا غرق ہو گئے (جبکہ یہ پتہ نہ ہو کہ پہلے کون ہوا ہے) تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے، بلکہ ان دونوں کے باقی ورثا ان کے وارث ٹھہریں گے، احناف کے ہاں اس مانع کو متوفی حضرات کی وفات کی تاریخ (یعنی وقت) کی جہالت سے تعبیر کی جاتا ہے اور (10)...... وارث کے نر یا مادہ ہونے میں شک ہو جانا، اس کو خنثیٰ (یا مخنث) کہتے ہیں، ایسے وارث کی جنس کو پرکھنے کے لیے پیشاب کی جگہ، داڑھی اور حیض کو دیکھا جائے گا، پھر اگر اس کو مرد سمجھ لیا گیا تو وہ بحیثیتِ مرد وارث بنے گا اور عورتوں کے ساتھ اس کے الحاق کی صورت میں بحیثیتِ عورت وارث بنے گا اور اگر اس کا معاملہ واقعی اشکال میں پڑ گیا تو اس کو آدھا حصہ عورت کا اور آدھا مرد کا دیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ نے صرف تین موانع ارث کا ذکر کیا ہے: (1)...... غلامی، (2)...... قتل، (3)...... اختلافِ دین۔ اور شافعیہ نے اِن تین کے ساتھ مزید تین موانع کا ذکر کیا ہے اور اس طرح ان کے ہاں موانع کی تعداد چھ ہو گئی ہے، مندرجہ بالا تین اور درج ذیل تین: (4)...... ایک مذہب والے کافروں کا ذمۂ اصلی اور لڑائی کے اعتبار سے مختلف ہونا، مشہور بات یہی ہے کہ حربی اور ذمی، اور مُعاہد اور مستأمن کے مابین توارث نہیں ہوگا۔ (5)...... ارتداد، مرتد نہ کسی مسلمان اور کافر کا وارث بن سکے گے اور نہ مُورِّث، اس کی دلیل یہ ہے: ((لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ-))...... "مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا۔" مرتد کا ترکہ مالِ فے سمجھ کر بیت المال میں جمع کروا دیا جائے گا، وہ اس نے دورانِ اسلام کمایا ہو یا حالتِ ارتداد میں، لیکن یہ مانع اختلافِ دین میں ہی داخل ہے، جیسے مالکیہ نے وضاحت کی تھی۔ (6)...... دورِ حکمی: ایک کو وارث بنانے سے دوسرے کے وارث ہونے کی نفی ہو جائے، مثلا ایک آدمی فوت ہوا، ورثاء میں صرف اس کا بھائی موجود ہے، وہ عصبہ بنفسہ ہونے کی وجہ سے سارے ترکہ کا مستحق ہوگا، لیکن وہ خود متوفی کے بیٹے کا اقرار کر دیتا ہے اور اب بھائی کے اقرار کی وجہ سے اس بیٹے کا نسبت ثابت ہو جاتا ہے، لیکن دورِ حکمی کی وجہ سے یہ بیٹا وارث نہیں بنے گا، کیونکہ اس بھائی کے اقرار اور بیٹے کے باپ سے نسب ثابت ہونے کی بنا پر خود بھائی وارث نہیں بن سکے گا، یعنی بیٹے کی وجہ سے میت کا بھائی محجوب ہو جائے گا، اس لیے بھائی کے اقرار کا بطلان لازم آئے گا، کیونکہ اس صورت میں بھائی ترکہ نہیں پا سکے گا، اس طرح بچے کا نسب باطل ہو جائے گا اور جب نسب باطل ہو گا تو وہ وارث بھی نہیں بن سکے گا، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اگر بھائی اپنے دعوی میں حقیقت میں سچا ہے تو پھر اس

کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ سارا ترکہ متوفی کے بیٹے کو دے دے، اللہ تعالی اور اس کے مابین تعلق کا یہی تقاضا ہو گا۔ اس قاعدے کا خلاصہ یہ ہو کہ ایک بندے کی میراث کو ثابت کرنے سے دوسرے کی نفی ہوتی ہے اور جس چیز کا ثبوت دوسری چیز کی نفی کرتی ہو، تو سرے سے اس کے ثبوت کی ہی نفی کر دی جائے گی۔ اگر غور کیا جائے تو میرے رائے یہ ہو گی کہ فقہاء نے چار مشہور موانع میراث کے علاوہ موانع کی جو صورتیں ذکر کی ہیں، حقیقت میں ان کو مانع نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان صورتوں میں میراث کی بعض شرطیں مفقود ہیں، اس لیے وارث ترکہ سے محروم رہے گا۔[4]

معتبر موانع کی تفصیل

ڈاکٹر وہبہ زحیلی (م1436ھ) کی بحث سے معلوم ہوا ہے کہ اگرچہ فقہا میں موانع ارث کی تعداد میں اختلاف رہا ہے، لیکن اِن حضرات میں درج ذیل چار موانع معتبر ہیں، لہذا اب ہم تفصیل کے ساتھ ان موانع کا جائزہ لیں گے، ذہن نشین رہے کہ پہلے تین موانع پر اتفاق ہے۔ (1)...... غلامی، (2)...... قتل، (3)...... اختلافِ دین اور (4)...... اختلافِ دار

(1)...... غلامی:

غلامی کو عربی زبان میں "رِقٌّ" کہتے ہیں، شیخ جرجانی (م816ھ) نے اس کی تعریف یوں کی ہے: لغت میں "اَلرِّق" کے معانی "ضعف اور کمزوری" کے ہیں، اسی سے دل "رقۃ القلب" (دل کی کمزور اور عاجزی وانکساری) کی ترکیب ہے، فقہاء کے عرف میں اس کی تعریف یہ ہے: عبارة عن عجز حكمي شرع في الأصل جزاء عن الكفر۔...... غلامی ایسی حکمی بے بسی اور کمزوری کا نام ہے، جو دراصل کفر کے بدلے میں مشروع ہوئی ہے۔[5] کمزوری سے مراد یہ ہے کہ غلام ان چیزوں کا مالک نہیں بن سکتا، جن کا مالک آزاد ہوتا ہے، جیسے گواہی دینا، فیصلے کرنا، مال کمانا، لیکن یہ سب کچھ حکمی ہوتا ہے، کیونکہ کام کرنے میں حسی طور پر تو یہ ممکن ہے کہ غلام، آزاد کی بہ نسبت زیادہ قوی ہو۔

غلام اور لونڈی کے وارث نہ بننے کی وجہ یہ ہے کہ غلامی، تملیک یعنی مالک ہونے کی اہلیت کے منافی ہے، غلام کا اپنے آقا کا مال ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود مال کا مالک نہیں بن سکے گا، غور کریں کہ اللہ تعالی نے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ میں تملیک پر دلالت کرنے والے لفظِ "لام" کے ساتھ میراث کو اس کے مستحق کی طرف منسوب کیا ہے، اس لیے وہ ترکہ وارث کی ملکیت ہو گا، جبکہ غلام مالک نہیں بن سکتا، نیز سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ، فَمَالُهُ لِلَّذِي بَاعَهُ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ المُبْتَاعُ۔)) ...... "جس شخص نے غلام فروخت کیا اور اس کے پاس مال موجود ہو تو وہ فروخت کرنے والے کا ہی ہو گا، الا یہ کہ خریدار سودا کرتے وقت اس کی شرط لگا لے۔"[6] غلامی کے مانع میراث ہونے پر تو اتفاق ہے، لیکن اس کی بعض قسمیں مختلف فیہ ہیں، تفصیل درج ذیل ہے: غلامی کی پانچ قسمیں ہیں: (1)...... قِنّ، (2)...... مُکاتَب، (3)...... مُدَبَّر، (4)...... اُمُّ وَلَد، (5)...... مُبَعَّض

(1)...... قِنّ: اس سے مراد وہ غلام ہے، جس کی غلامی ہر اعتبار سے کامل ہو۔

باقی چاروں قسمیں ناقص غلامی کی ہیں۔

(2)...... مُدَبَّر: ایسا غلام کہ جس کو اس کے مالک نے یوں کہا ہو: تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہو گا۔

(3)...... اُمُّ وَلَد: وہ لونڈی ہے، جس کا اپنے آقا سے بچہ پیدا ہوا ہو اور آقا نے اس بچے کے بارے میں یہ دعوی کر دیا ہو کہ یہ بچہ اس کا بیٹا ہے، ایسا کرنے سے اس کا نسب ثابت ہو جائے اور ایسی لونڈی ام ولد بن جائے گی۔

(4)...... مُکَاتَب: اس غلام کو کہا جاتا ہے جو اپنا معاوضہ ادا کرنے کا معاہدہ اپنے مالک سے کر لے۔

(5)...... مُبَعَّض: وہ غلام جس کا بعض حصہ آزاد ہو اور بعض حصہ غلام۔

اس امر پر ائمہ وفقہا کا اتفاق ہے کہ پہلی تین اقسام وارث بن سکتی ہیں نہ مُورِّث، البتہ چوتھی اور پانچویں قسم کا معاملہ مختلف فیہ ہے، تفصیل حسبِ ذیل ہے:

مُکَاتَب

اس کی دو صورتیں ہیں:

(أ) مکاتَب کا دوسرے کا وارث بننا: مکاتَب مکمل آزاد ہونے تک کسی کا وارث نہیں بن سکے گا، اس امر پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے۔[7]

(ب) مکاتَب کا مُورِّث بننا: اس کی پھر دو صورتیں ہیں: اگر مکاتَب اپنی پوری قیمت ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے اور اپنے ترکہ میں اتنا مال چھوڑ جائے، جس اس کی قیمت سے زائد ہو تو کیا اس کی مکاتبت فسخ ہو جائے اور مال آقا کو مل جائے گا یا یہ کہ مکاتبت فسخ نہیں ہو گی، بلکہ اس کے ترکہ میں سے اس کی بقیہ قیمت ادا کی جائے گی اور جو مال بچے گا، وہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہو گا، اس بارے میں درج ذیل اقوال کی صورت میں اہل علم کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے:

(قولِ اوّل)...... مکاتَب کے فوت ہونے سے اس کی کتابت فسخ ہو جائے گی اور اس کو اس کے آقا کے حق میں کامل غلام کی طرح ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ جب تک ایک درہم کی ادائیگی مکاتَب کے ذمے ہو گی، اس کو غلام ہی سمجھا جائے گا، یہ امام شافعی سمیت جمہور ائمہ کی رائے اور امام احمد کا ایک قول ہے۔

(قولِ ثانی)...... جب مکاتَب اپنی بقیہ قیمت سے زائد ترکہ چھوڑ کر فوت ہو گا تو اس کو اس کی زندگی کے آخری وقت میں آزاد سمجھ کر اس کے آقا کو باقی قیمت ادا کی جائے گی اور باقی ترکہ اس کے ورثا میں تقسیم ہو گا اور اس کی کتابت میں شرکت کرنے یا نہ کرنے والے میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا، یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

(قولِ ثالث)...... ایسے مکاتَب کی بقیہ قیمت اس کے مالک کو ادا کر کے باقی مال اس کے ان ورثا یا ان کی اولاد میں تقسیم کیا جائے گا، جو اس کے ساتھ اس کی کتابت میں شریک ہوئے تھے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہ مکاتَب امام شافعی کے نزدیک بطورِ غلام، امام ابو حنیفہ کے نزدیک بطورِ آزاد اور امام مالک کے نزدیک بطورِ مکاتَب فوت ہوا۔

مکاتَب کے بارے میں دو قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں:

(قسم اوّل)......

(1)...... درج ذیل حدیث پر توجہ کریں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں اور اپنی مکاتبت کے سلسلے میں ان سے مدد چاہی، جبکہ انھوں نے ابھی تک کوئی ادائیگی نہیں کی تھی، سیدہ نے اُن سے کہا: تم اپنے کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کو یہ پیغام دو کہ اگر وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ میں تیری کتابت کی ساری رقم ادا کر دوں اور تیری ولاء میرے لیے ہو، تو میں کر دیتی ہوں، بریرہ c نے اپنے مالکوں سے بات کی، لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کہا: اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چاہتی ہیں کہ وہ ثواب کی

نیت سے تجھ پر احسان کریں تو بیشک کریں، ولاء بہر حال ہمارے لیے ہو گی۔ جب سیدہ نے یہ ساری تفصیل رسول اللہ ﷺ کو بتلائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((ابْتَاعِي، فَأَعْتِقِي فَإِنَّمَا الوَلاَءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔))...... "(عائشہ!) تم اس کو خرید کر آزاد کر دو، ولاء صرف آزاد کرنے والا کا حق ہے۔" پھر آپ ﷺ (منبر پر) کھڑے ہوئے اور فرمایا: "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، وہ ایسی شرطیں لگانے لگ گئے ہیں، جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جس نے ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہ ہو، تو اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہو گا، اگرچہ وہ سو شرطیں لگالے، اللہ تعالیٰ کی شرط سب سے زیادہ حقدار اور سب سے زیادہ مضبوط ہے۔"[8]

شارح ابو داود علامہ عظیم آبادی (م 1329ھ) نے اس حدیث کے بارے میں کہا: وحجة الجمهور حديث عائشة الآتي وهو اقوى ووجه الدلالة منه ان بريرة بيعت بعد ان كوتبت ولولا ان المكاتب يصير بنفس الكتابة حرا لمنع بيعها۔...... جمہور ائمہ کی حجت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے اور یہ سب سے قوی ہے، دلالت اور استدلال کی صورت یہ ہے کہ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو مکاتبت کر لینے کے بعد خرید اگیا، اگر مکاتِب کتابت کی وجہ بنا پر ہی آزاد ہو جاتا ہو تا تو اس کو خریدنا منع ہوتا۔[9]

(2)...... سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ دِرْهَمٌ۔))...... "مکاتَب اس وقت تک غلام ہی رہے گا، جب تک اس پر اس کی کتابت میں سے ایک درہم باقی ہو گا۔"[10]

علامہ عظیم آبادی (م 1329ھ) نے کہا: جب تک کتابت کا ایک درہم باقی ہو گا، اس پر غلامی کے احکام لاگو ہوں گے۔...... پھر علامہ صاحب نے سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا عروہ بن زبیر، سیدنا سلیمان بن یسار، سیدہ عائشہ اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے اسی طرح کے اقوال نقل کیے کہ ایسے مکاتَب کا حکم غلام ہی کا ہو گا...... اور پھر کہا: امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میری رائے بھی یہی ہے اور میں (عظیم آبادی) کہتا ہوں: اکثر ائمہ کا نظریہ یہی ہے، بہر حال سلف کا اس مسئلہ میں اختلاف تو ہے، جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب وہ آدھی قیمت ادا کرلے گا تو اس کو قرض دار سمجھا جائے گا، نیز انھوں نے کہا: وہ جتنی قیمت ادا کرتا جائے، اسی کے بقدر آزاد ہوتا جائے گا۔[11]

(3)...... اس سے اگلی سند کے ساتھ مروی الفاظ یہ ہیں: ((أَيُّمَا عَبْدٍ كَاتَبَ عَلَى مِائَةِ أُوقِيَّةٍ فَأَدَّاهَا إِلَّا عَشْرَةَ أَوَاقٍ فَهُوَ عَبْدٌ وَأَيُّمَا عَبْدٍ كَاتَبَ عَلَى مِائَةِ دِينَارٍ فَأَدَّاهَا إِلَّا عَشْرَةَ دَنَانِيرَ فَهُوَ عَبْدٌ۔))...... جس غلام نے (100) اوقیوں پر مکاتبت کی اور ساری قیمت ادا کر دی، ماسوائے دس اوقیوں کے، تب بھی وہ غلام ہی رہے گا اور جب غلام نے (100) دیناروں پر کتابت اور ساری قیمت ادا کر دی، ماسوائے دس دیناروں کے، تو وہ تب بھی غلام ہی رہے گا۔"[12]

(قسمِ ثانی)

(1)...... سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل ہو جانے والے مکاتَب کے بارے میں فرمایا: ((يُودَى مَا أَدَّى، مِنْ مُكَاتَبَتِهِ دِيَةَ الْحُرِّ وَمَا بَقِيَ دِيَةَ الْمَمْلُوكِ۔))...... "وہ اپنی مکاتبت کی جتنی مقدار ادا کر چکا ہو گا، اس کے بقدر اس کی آزاد کی دیت دی جائے گی اور باقی حصے کی غلام کی۔"[13]

(2)......سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا، أَوْ وَرِثَ مِيرَاثًا يَرِثُ عَلَى قَدْرِ مَا عَتَقَ مِنْہُ۔))......"جب مکاتَب کسی حد کا مستحق ٹھہرے گا یا کسی ترکہ کا وارث بنے گا تو وہ جتنا آزاد ہو چکا ہو گا، اس کے بقدر وارث بنے گا۔"[14]

امام ترمذی نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد کہا:والعَمَلُ عَلَى ہذَا الحدیث عِنْدَ بَعْضِ أہْلِ العِلْمِ مِنْ أصْحَابِ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم وغَيْرِہِمْ۔ وقالَ أكْثَرُ أہْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم وغَيْرِہم: الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ، مَا بَقِيَ عَلَيْہِ دِرْہَمٌ۔ وہُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثّوْرِيّ والشّافِعِيّ وأحْمَدَ وإسْحَاقَ۔ ......صحابۂ کرام اور بعد والوں میں سے بعض اہل علم کے ہاں اسی حدیث پر عمل ہے، لیکن اکثر اہل علم کا نظریہ ہے کہ جب تک مکاتَب پر ایک درہم باقی ہو گا، وہ غلام ہی رہے گا، یہ امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا قول بھی ہے۔

شارح ابوداود علامہ عظیم آبادی(م 1329ھ) نے کہا:أجمع عامة الفقہاء على أن المكاتب عبد ما بقی علیہ درہم فی جنایتہ والجنایة علیہ ولم یذہب إلى ہذا الحدیث أحد من العلماء فیما بلغنا إلا إبراہیم النخعی وقد روی فی ذلک أیضا شیء عن علی بن أبی طالب وإذا صح الحدیث وجب القول بہ إذا لم یكن منسوخا أو معارضا بما ہو أولى منہ واللہ أعلم ۔......عام فقہاء کا اس امر پر اجماع واتفاق ہے کہ جب تک مکاتَب پر اس کی مکاتبت کا ایک درہم باقی ہو گا، تب تلک وہ غلام ہی رہے گا، اور ہمارے علم کے مطابق کسی عالم نے اس (سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ) کی حدیث کے مطابق رائے نہیں دی، ماسوائے ابراہیم نخعی کے، البتہ سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کا قول مروی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے مطابق رائے دینا واجب ہو جاتا ہے، جب تک وہ منسوخ اور اپنے سے زیادہ صحیح حدیث کے معارِض نہ ہو، واللہ اعلم۔[15]

(3)......سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا:((إِذَا كَانَ لِإِحْدَاكُنَّ مُكَاتَبٌ فَكَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي فَلْتَحْتَجِبْ مِنْہُ۔))......"جب تم میں سے کسی کا مکاتَب ہو اور اس کے پاس ادائیگی کے بقدر مال ہو تو پھر تمہیں اس سے پردہ کرنا چاہیے۔"[16]لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں نبہان مخزومی ہے، جس کی صرف امام ابن حبان نے توثیق کی ہے، شیخ البانی اور شیخ شعیب الارنووط نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے، اس کا تعلق احتیاط اور تقوی سے ہے۔

جمع و تطبیق

یہ دو قسم کی احادیث ہیں، مسئلہ میں اچھی خاصی پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے، اکثر اہل علم کی رائے تو قسم اول کی احادیث کے مطابق ہے، جیسا کہ ابن قدامہ (م 620ھ) نے پہلی قسم کی احادیث کو زیادہ صحیح اور اس کے مطابق اختیار کی گئی رائے کو اولی اور راجح قرار دیا اور قسم ثانی کی احادیث کے بارے میں کہا:ولا اعلم احدا من الفقہاء قال بہذا......اور میں فقہاء میں سے کسی کو نہیں جانتا، جو ان احادیث کے مصداق کا قائل ہو۔[17]لیکن فقہاء کا کسی حدیث کا قائل نہ ہونا، محض اس خیال سے اس حدیث کو چھوڑا نہیں جا سکتا، جبکہ بعض اہل علم قسم ثانی کی احادیث کے قائل بھی ہیں۔ جبکہ امام ابن حزم (م 456ھ) کہتے ہیں:

مکاتَب جب تک ادائیگی شروع نہیں کرے گا، وہ غلام ہی رہے گا، جب وہ مکاتبت کی کچھ مقدار ادا کرے گا تو اس میں آزادی کا آغاز ہو جائے گا اور ادائیگی کے مطابق اس کی آزادی کا فیصلہ کیا جائے کیا جائے گا اور باقی حصہ غلام ہی رہے گا، اس کا جتنا حصہ آزاد ہو گا، حدود، مواریث اور دیات وغیرہ میں اس پر آزادی کا حکم لگایا جائے گا اور جتنا حصہ غلام ہو گا، اس پر غلامی کا حکم لگایا جائے گا، یہاں تک کہ مکمل ادائیگی سے اس کی آزادی مکمل ہو جائے گی۔ مکاتَب جب مکاتبت کا کچھ حصہ ادا کرنے کے بعد فوت ہو گا، یا اس کا کوئی مُورِّث فوت ہو گا تو وہ ادائیگی کے مطابق پہلی صورت میں مُورِّث بنے گا اور دوسری صورت میں وارث۔[18]

ملا علی قاری (م1014ھ) نے کہا: وبہ قال النخعی وحده ومع ما فيه من الطعن معارض بحديثي عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قلت يمكن أن يقال فى الجمع بينهما وبينه على تقدير صحته تقوية لقول النخعي أنه يعتق عتقا موقوفا على تكميل تأدية النجوم لا سيما على القول بجواز تجزی العتق۔ صرف نخعی (سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ) کی حدیث کے قائل ہیں، جبکہ اس حدیث پر طعن بھی کیا گیا ہے اور یہ سیدنا عبد اللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارِض بھی ہے، میں کہتا ہوں: ممکن ہے کہ نخعی کے قول کی وجہ سے اس حدیث کو صحیح مان کر ان احادیث میں جمع تطبیق کی یہ صورت پیش کی جائے کہ ایسے مکاتَب کی آزادی کو قسطوں کی ادائیگی کی تکمیل تک موقوف سمجھ لیا جائے، کیونکہ آزاد کو مختلف اجزا میں تقسیم کرنے کا قول بھی موجود ہے۔[19]

مُبَعَّض

(وہ غلام جس کا بعض حصہ آزاد ہو اور بعض حصہ غلام) غلام کی یہ قسم بھی مختلف فیہ ہے اور اس کے بارے میں بھی تین اقوال ہیں: (قولِ اوّل)...... یہ کامل غلام کی طرح ہے، نہ وارث بنے گا، نہ مُورِّث اور نہ حاجب، یہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے ہے، اہل مدینہ اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا نظریہ بھی یہی ہے۔ (قولِ ثانی)...... غلام کی یہ قسم اپنے تمام احکام میں آزاد کی طرح ہو گی، لہذا یہ آزاد کی طرح وارث بھی بنے گا، مُورِّث بھی اور حاجب بھی، یہ سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا جابر رضی اللہ عنہما، امام حسن بصری، امام نخعی، امام شعبی، امام ثوری، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کا نظریہ ہے۔ (قولِ ثالث)...... اس غلام کا جتنا حصہ آزاد ہے، یہ اس کے بقدر وارث، مُورِّث اور حاجب بنے گا اور باقی معاملہ غلام والا ہی ہو گا۔ یہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا علی رضی اللہ عنہما، امام عبد اللہ بن مبارک، اہل ظاہر اور امام احمد کی رائے ہے۔[20]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی (م1436ھ) نے کہا ہے کہ شافعیہ نے جدید مذہب کے مطابق تیسرے قول کو مُبَعَّض غلام کے بارے میں تیسرے قول کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور راجح ہے۔[21] مکاتَب کی سابق بحث میں قسم ثانی میں جو احادیث موجود ہیں، ان سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آزاد کے لیے میراث کا حکم ہے اور غلام کے لیے نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہو کہ میراث کے حکم کا تعلق آزادی اور غلامی کے ساتھ ہے اور یہ مشہور قاعدہ ہے کہ "الحکم یدور مع علتہ" (حکم اپنی علت کے ساتھ گھومتا ہے)، لہذا ایسے شخص کا جتنا حصہ آزاد ہو گا، اس پر آزادی کے احکام مرتب ہوں گے اور جتنا حصہ غلام ہو گا، اس پر غلامی کے احکام نافذ ہوں گے۔

(2)...... **قتل**

قاتل کے بارے میں احادیثِ نبویہ درج ذیل ہیں: سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا۔)) ...... "قاتل (اپنے مقتول کے ترکہ میں سے) کسی چیز کا وارث نہیں بنتا۔"[22] سیدنا عمر b سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَيْسَ لِقَاتِلٍ مِيْرَاثٌ۔)) ...... "قاتل کے کوئی میراث اور ترکہ نہیں ہے۔"[23] قاتل کو محروم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حرام فعل کے ذریعے وقت سے پہلے ترکہ حاصل کرنا چاہا اور شریعت نے اس کی سزا میں اس کو میراث سے سرے سے محروم کر دیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ قتل کے باوجود قاتل کو میراث دینا، اس کا نتیجہ فساد کی صورت میں نکلے گا اور اللہ تعالی فساد پسند نہیں کرتا۔ اس موضوع پر ابن قدامہ مقدسی (م620ھ) نے خوبصورت بحث کی ہے، ہم پہلے وہ نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: أجمع أهل العلم على أن قاتل العمد لا يرث من المقتول شيئا إلا ما حكي عن سعيد بن المسيب و ابن جبير أنهما ورثاه وهو رأى الخوارج لأن آية الميراث تتناوله بعمومها فيجب العمل بها فيه ولا تعويل على هذا القول لشذوذه وقيام الدليل على خلافه۔ ...... اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جان بوجھ کر قتل کرنے والا مقتول کی کسی چیز کا وارث نہیں بن سکے گا، البتہ سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر نے منقول ہے کہ انھوں نے ایسے قاتل کو مقتول کا وارث بنایا ہے، دراصل یہ خوارج کی رائے تھی، کیونکہ میراث والی آیت اپنے عموم کی بنا پر قاتل کو بھی شامل ہے، اس لیے ان کے ہاں اسی پر عمل واجب ہے، لیکن اس قول پر کوئی اعتماد نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ شاذ ہے اور اس کی مخالف صورت پر دلیل موجود ہے، .... رہا مسئلہ قتلِ خطا کا تو بہت زیادہ اہل علم کا نظریہ یہی ہے کہ ایسا قاتل بھی وارث نہیں بنے گا، امام احمد نے اس پر نص قائم کی ہے اور یہی نظریہ سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا زید، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی اسی طرح ہے، نیز قاضی شریح، عروہ، طاوس، جابر بن زید، نخعی، شعبی، ثوری، شریک، حسن بن صالح، وکیع، امام شافعی، یحیی بن آدم اور اصحابِ رائے کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ لیکن بعض اہل علم نے ایسے قاتل کو دیت کے علاوہ دوسرے مال کا وارث بنایا ہے، یہ مسلک سعید بن مسیب، عمرو بن شعیب، عطاء، حسن، مجاہد، زہری، مکحول، اوزاعی، ابن ابی ذئب، ابو ثور، ابن منذر اور داوی سے منقول ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے حق میں روایت کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے قاتل کی میراث قرآن مجید کے عمومی دلائل سے ثابت ہے، سنت نے قاتلِ عمد کی تخصیص کی ہے، پھر اس پر امت کا اجماع بھی ہو گیا ہے، لہذا باقی صورتوں میں تو ظاہر پر ہی عمل ہونا چاہیے، لیکن ہمارے حق میں مذکورہ احادیث موجود ہیں (جن میں مطلق طور پر قاتل کا ذکر ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ) جو دیت سے وارث نہیں بنے گا، وہ دوسرے مال کا وارث بھی نہیں بنے گا، جیسے قاتلِ عمد اور دین میں مخالف کا معاملہ ہے، ہم نے جو احادیث ذکر کی ہیں، ان کی روشنی میں عمومات کی تخصیص کی جائے گی۔ میراث سے مانع قتلِ ناحق ہے اور اس سے مراد وہ قتل ہوتا ہے، جس میں قصاص، یا دیت، یا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے، جیسے قتلِ عمد، قتلِ شبہ عمد، قتلِ خطا اور جو قتلِ خطا کے قائم مقام ہو، جسے قتلِ بالسبب اور بچے، پاگل اور سونے والے کا قتل کرنا، جس قتل کی وجہ سے قاتل کسی چیز کا ضامن نہیں ہوتا، وہ میراث سے مانع نہیں ہوتا، جیسے کسی کو قصاص میں یا حد لگاتے ہوئے یا اپنا دفاع کرتے ہوئے قتل کرنا اور اسی طرح باغی کو قتل کرنا، یا جس نے اپنے مُورِّث کی مصلحت کی خاطر اس کو دوا دی یا اس کے زخم پر پٹی باندھی، لیکن وہ اسی وجہ سے فوت ہو گیا، اسی طرح اگر بڑی عمر کا عقلمند آدمی کسی کو حکم دے کہ وہ اس کے پھوڑے کو شگاف دے، یا اس کی کھال کے ساتھ لگا ہوا زائد گوشت یا کھال میں ابھری گوشت کی گرہ کاٹ دے،

لیکن وہ شخص اسی وجہ سے فوت ہو جائے تو مذہب کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی ان صورتوں میں اپنے مَوَرِّث کا وارث بنے گا۔[24] ائمہ وفقہا کا اس امر تو اتفاق ہے کہ قاتل اپنے مقتول کے ترکہ سے محروم رہے گا، لیکن قتل کی نوعیت کے بارے میں اہل علم میں درج ذیل اختلاف واقع ہوا ہے: ذہن نشین رہے کہ قتل عمد میں قصاص اور قتل شبہ عمد اور قتل خطا میں دیت لازم آتی ہے اور صرف کفارہ لازم آنے کی دو صورتیں ہیں: ایک جب مومن کفار کی صفوں میں کھڑا ہو اور دوسرا جب مومن کے وارث بننے والے کفار ہوں، دوسری صورت زیادہ مناسب ہے۔

حنفیہ کی رائے

وہ قتل مراد ہے، جس کی وجہ سے قصاص یا کفارہ واجب ہو، ایسے قتل کی چار صورتیں بنتی ہیں: قتلِ عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطا اور قتل خطا کے قائم مقام۔ قتلِ عمد کی وجہ سے قصاص ثابت ہوتا ہے اور شبہ عمد اور قتل خطا کی وجہ سے کفارہ واجب ہوتا ہے، شبہ عمد سے مراد یہ ہے کہ قاتل جان بوجھ کر ایسی ضرب لگائے، جس کی وجہ سے عام طور پر بندہ مرتا نہیں ہے اور قتل خطا یہ ہے کہ آدمی شکار کی طرف تیر پھینکے یا فائر کرے، لیکن وہ کسی انسان کو لگ جائے، یا آدمی نیند میں کروٹ لے کر دوسرے کے اوپر آ جائے، یا چھت سے کسی پر گر پڑے، یا اس کے ہاتھ سے کسی پر پتھر گر جائے، یا سوار کا جانور کسی کو روند ڈالے اور ان سب صورتوں میں اگلا بندہ قتل ہو جائے۔ جس قتل سے قصاص یا کفارہ ثابت نہیں ہوتا، وہ میراث سے مانع نہیں ہے، ایسے قتل کی چار صورتیں ہیں: (1)...... قتل بِالْحق، (2)...... قتل بِالعذر، ......(3) قتل بالتسبُّب اور (4)...... غیر مکلف سے صادر ہونے والا قتل۔

قتل بِالْحقیہ ہے کہ آدمی قصاص نافذ کرنے کے لیے، یا ارتداد کی وجہ سے حد لگانے کے لیے، یا شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کے لیے، یا اپنا دفاع کرنے کے لیے اپنے مُوَرِّث کو قتل کر دے۔ قتل بِالعذر یہ ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو زنا کی حالت میں پا کر اس کو یا اس کے ساتھ زنا کرنے والے کو قتل کر دینا، چونکہ ایسی حالت میں شعور اور اختیار باقی نہیں رہتا، اس لیے اس کے حق میں معافی کا پہلو غالب ہو گا۔ قتل بالتسبُّب وہ ہے، جو قاتل براہِ راست نہ کرے، بلکہ وہ قتل کا اس طرح سبب بنے کہ وہ غیر ملکیتی زمین میں کنواں کھود دے یا پتھر رکھ دے اور کوئی بندہ اس کنویں میں گر کر یا پتھر کی وجہ سے مر جائے۔

غیر مکلف سے صادر ہونے والے قتل سے مراد بچے اور پاگل کا کسی کو قتل کر دینا ہے۔

ان چار صورتوں میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم نہیں رہے گا۔

مالکیہ کی رائے

ترکہ سے مانع صرف قتل عمد ہے، وہ براہِ راست ہو یا بِالتسبُّب، مثلا: قتل کا حکم دینے والا، قتل کرنے پر آمادہ کرنے والا، قتل کے عمل کو آسان کرنے والا، اس عمل میں شریک ہونے والا، کھانے پینے میں زہر ملا دینے والا، جھوٹی گواہی دے کر قتل کا سبب بننے والے، قتل پر مجبور کر دینے والا، مُوَرِّث کو مارنے کی خاطر کنواں کھودنے والا اور اس کے راستے میں ایسا پتھر رکھنے والا کہ جس کی وجہ سے اس کا مرنا ممکن ہو۔ رہا مسئلہ قتل خطا کا، تو وہ میراث سے مانع نہیں ہے، البتہ دیت سے حصہ لینے سے مانع ہے۔

شافعیہ کی رائے

قاتل مطلق طور پر اپنے مقتول کا وارث نہیں بنے گا، وہ براہِ راست قتل کرے، یا سبب بنے، یا مصلحت کے نتیجے میں قتل ہو جائے، جیسے باپ، خاوند اور استاد کا مارنا، حق کے ساتھ قتل کر رہا ہو یا ناحق، قاتل مکلف ہو یا غیر مکلف۔ یہ وسیع ترین رائے ہے اور ان کی دلیل ترمذی کی حدیث کے الفاظ ’ ’لَيْسَ لِلْقَاتِلِ شَيْءٌ‘‘ کا عموم ہے۔

حنابلہ کی رائے

میراث سے مانع قتل ناحق ہے اور یہ وہ قتل ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے قصاص، یا دیت، یا کفارہ لازم آتا ہے، سو یہ قتل قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطا اور قتل شبہ خطا کے قائم مقام اور نابالغ بچے، پاگل اور سونے والے کے قتل کو شامل ہے۔

راجح رائے کا تعین

اس باب میں قتل کی اقسام (قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطا اور قتل شبہ خطا وغیرہ) کا اور قصاص، یا دیت، یا کفارہ کے لازم آنے کا اتنی بار ذکر کر دیا جاتا ہے کہ قاری کا ذہن الجھ جاتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ ان امور کی واقعی کوئی حقیقت ہو گی، تبھی تو ہر شارحِ حدیث اور ہر فقیہ ان کا ذکر کرتے ہوئے نظر آتا ہے، ہم اس ذہنیت سے ہٹ کر بات کریں گے۔ ہمارے نزدیک امام مالک کا قول راجح ہے، حدیث میں جس قاتل کا ذکر ہے، اس کا صحیح مصداق یہی قول بنتا ہے۔ اس باب میں درج ذیل دو احادیث زیادہ قابلِ توجہ ہیں:

(پہلی حدیث) سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن کھڑے ہوئے اور فرمایا: ((الْمَرْأَةُ تَرِثُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا وَمَالِهِ، وَهُوَ يَرِثُ مِنْ دِيَتِهَا وَمَالِهَا، مَا لَمْ يَقْتُلْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَإِذَا قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ عَمْدًا لَمْ يَرِثْ مِنْ دِيَتِهِ وَمَالِهِ شَيْئًا، وَإِنْ قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ خَطَأً وَرِثَ مِنْ مَالِهِ وَلَمْ يَرِثْ مِنْ دِيَتِهِ۔)) ...... خاوند اور بیوی جب تک ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے، تب تلک وہ ایک دوسرے کی دیت اور مال کا وارث بنیں گے، لیکن جب ان میں سے ایک دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کر دے گا تو وہ اس کی دیت اور مال میں سے کسی چیز کا وارث نہیں بنے گا اور اگر ان میں سے ایک دوسرے کو غلطی سے قتل کر دیتا ہے تو ایسا قاتل دوسرے کے مال کا تو وارث بنے گا، لیکن دیت کا وارث نہیں بنے گا۔"[25] علامہ شعیب ارنوؤط (م 1438ھ) نے کہا: اس کی سند ان شاء اللہ حسن ہے، ...... معتبر قول کے مطابق اس راوی کا نام محمد بن سعید ہے، یہ طائفی ہے، جیسا کہ امام دار قطنی نے اپنی سنن میں واضح کیا ہے، بوصیری نے "مصباح الزجاجۃ" میں بہت دور کا نظریہ قائم کر دیا ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ محمد بن سعید ابن حسان مصلوب ہے، جو کہ متہم بالکذب ہے، اسی وجہ سے انھوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔[26] یہ حدیث اس باب میں فیصلہ کن ہے، دیت میں وارث نہ بنانے کی وجہ بالکل واضح ہے، کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ قاتل کی طرف سے ادا کی ہوئی دیت کا کچھ حصہ پھر اس کو واپس کر دیا جائے اور ایسا کرنے سے دیت عائد کرنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، احمد بن یحیی (م 840ھ) نے کہا: و قاتل الخطاء لا يرث من الدية اجماعا۔ ...... قتل خطا کرنے والا بالاتفاق دیت میں سے وارث نہیں بنے گا۔[27]

(دوسری حدیث) سیدنا عدی جذامی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: أَنَّهُ لَقِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَانَتْ لِيَ امْرَأَتَانِ فَاقْتَتَلَتَا فَرَمَيْتُ إِحْدَاهُمَا فَقَتَلْتُهَا، فَقَالَ: ((اعْقِلْهَا وَلَا تَرِثْهَا۔)) ...... وہ رسول اللہ ﷺ کو کسی سفر میں ملے اور کہا: اللہ کے رسول! میری دو بیویاں تھیں، وہ دونوں لڑ پڑیں اور میں نے ایک کو (پتھر) مارا اور وہ اس وجہ سے فوت ہو گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: "تو اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث نہیں بنے گا۔"[28]

یہ حدیث بھی اپنے باب میں واضح ہے، لیکن یہ روایت المزید فی متصل الاسانید کی وجہ سے ضعیف ہے، عبد الرحمن بن حرملہ نے سیدنا عدی جذامی رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح نہیں کی، لہذا یہ طریق بھی رجل مبہم پر محمول کیا جائے گا، اس باب میں طبرانی کی ایک دوسری روایت بھی ہے، لیکن اس کی سند میں عمر بن شیبہ بن ابی کثیر الاشجعی راوی مجہول ہے۔ سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی اقوال بھی سندی اعتبار سے ضعیف ہیں۔ چونکہ پہلی حدیث صحیح ہے، لہذا اسی پر عمل کرتے ہوئے قتلِ خطا والے قاتل کو میراث سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ شیخ محمد بن صالح عثیمین (م 1421ھ) نے اپنی شرح کے ماتن ابن قدامہ (م 620ھ) کی تردید کرتے ہوئے کہا: بظاہر مؤلف (ابن قدامہ) یہی کہنا چاہتے ہیں کہ قاتل وارث نہیں بنے گا، اگرچہ اس کا قتل محض خطا کی بنا پر ہو اور انھوں نے اس حدیثِ نبوی سے استدلال کیا کہ ((لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمِيْرَاثِ شَيْءٌ۔)) ...... "قاتل کے لیے ترکہ میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔" لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور جب یہ حدیث صحیح نہیں ہو گی تو ہم شریعت کے عام قواعد کی طرف رجوع کریں گے، جب ہمیں یقینی طور پر یہ علم ہو جائے گا کہ فلاں وارث نے اپنے مورث کو جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تو ہم اس کو میراث سے محروم نہیں کریں گے، کیونکہ وہ ترکہ کا مستحق ہے، ہم اس کو کیسے محروم کر سکتے ہیں اور ایسے زیادہ تر ہو بھی جاتا ہے، ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ رائے مزید کمزور ہو جائے، جس کی روشنی میں محض قتل خطا کی وجہ سے قاتل کو میراث سے محروم قرار دیا جاتا ہے، ایک آدمی اچھا خاصا مالدار ہے اور اس کے دو بیٹے ہیں، بڑا بیٹا اپنے باپ کا نافرمان ہے اور اس کو اس کے کسی حق کی شناخت نہیں ہے، لیکن دوسرا بیٹا اپنے باپ کے حق میں بہت نیک، اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا، اس کی خدمت کرنے والا اور ہر قسم کا احسان کرنے کے لیے کوشش کرنے والا ہے، اس باپ نے اس فرمانبردار بچے سے کہا: میں عمرہ کے لیے جانا چاہتا ہوں، جبکہ یہ بیٹا بڑا اچھا ڈرائیور ہے، سو وہ اور اس کا باپ اپنی گاڑی پر سفر کے لیے روانہ ہو گئے، لیکن راستے میں اسی بیٹے سے گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا، یہ حادثہ محض خطا کی بنا پر ہوا، نہ کہ کسی کے ارادے کی بنیاد پر اور اس حادثہ باپ فوت ہو گیا، جبکہ وہ کئی ملین سرمائے کا مالک ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس باپ کا وارث کون بنے گا؟ کیا ایسے ممکن ہے کہ نافرمان بچہ وارث بنے اور فرمانبردار محروم رہے، محال ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں اس قسم کا حکم پایا جائے، یہ فرمانبردار بیٹا تو یہ چاہتا ہے کہ کاش وہ اس حادثے میں کام آ جاتا اور اس کا باپ بچ جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کا سر زخمی ہو جاتا، لیکن اس کے باپ کی انگلی بھی زخمی نہ ہوتی، اب کیا ایسے بیٹے کو میراث سے محروم رکھا جائے گا اور یہ نافرمان وارث بنے گا، نہیں، شریعت میں ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا، جب تک اس موضوع سے متعلقہ روایات ضعیف ہوں گی تو ہم عام قواعد کی روشنی میں فیصلہ کریں، (اور عام قاعدہ یہ ہے کہ وارث کو حصہ دیا جائے گا)، کیا یہ ممکن ہے کہ اس فرمانبردار بیٹے پر یہ تہمت لگائی جائے کہ اس نے میراث ہڑپ کرنے کے لیے جان بوجھ کر اپنے باپ کو قتل کیا ہے؟ نہیں، کسی صورت میں یہ الزام نہیں دیا جا سکتا، اسی لیے ہمارا نظریہ یہ ہے کہ صحیح اور راجح مسلک یہی ہے کہ قتل خطا میراث سے مانع نہیں ہے اور اس مسلک کے علاوہ کوئی دوسری رائے اختیار کرنا درست نہیں ہے، اگر ہم ایسے شخص کو محروم کر دیں تو گویا ہم نے اس کو وہ حق لینے سے منع کر دیا ہے، جو حق اللہ تعالی نے اپنی کتاب اس کے لیے ثابت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ ...... "اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے۔" (سورۂ نساء: 11)، ایسی صورتوں میں تہمت اور الزام سے کام نہیں لیا جاتا اور جب تہمت بھی نہ لگائی جا سکتی ہو اور سبب الارث بھی موجود ہو تو پھر ہم عام قواعدِ میراث کو مد نظر رکھ کر ایسے شخص کو کیوں کر محروم کر سکتے ہیں، اس لیے اس

مسئلہ میں امام مالک کا نظریہ صحیح ترین مذہب ہے، جیسا کہ امام مالک نے کہا: ممکن نہیں کہ ہم قتل خطا کی وجہ سے کسی کو محروم کر دیں۔[29]

قرآن مجید اور قتل خطا

اللہ تعالی نے قتل خطا کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا:﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـــئًا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَــئًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِـيْمًا حَكِـيْمًا﴾...... "کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے، اِلّا یہ کہ اس سے غلطی ہو جائے، اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفّارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت (خون بہا) دے، اِلّا یہ کہ وہ دیت معاف کر دیں، لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا، جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفّارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے، اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا، جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خوں بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا، پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے، یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ ہمیشہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔"[30] اس آیت میں قتل خطا کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں:

(1)......جب کوئی مسلمان غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس کے دو حکم ہیں، ایک کفارہ (یعنی غلام آزاد کرنا) اور دوسرا دیت یعنی خون بہا (جو کہ سو اونٹ ہے)۔ اگر ورثاء دیت معاف کر دیں تو وہ ساقط ہو جائے گی، لیکن کفارہ ساقط نہیں ہو گا، البتہ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔

(2)......اس قتل ہو جانے والے مسلمان کے وارث حربی کافر ہوں تو پھر قاتل کے ذمے صرف کفارہ ہے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے ہوں گے۔

(3)......اگر وہ مقتول مسلمان ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو، جن سے تمہارا معاہدہ، یا ذمی ہیں تو اس صورت میں بھی دو چیزیں واجب ہوں گی، دیت اور کفارہ۔

(3)......اختلافِ دین۔ اختلافِ دین سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ وارث اور مُوَرِّث میں سے کوئی ایک مسلمان ہو اور دوسرا غیر مسلم، یہ محرومی دونوں طرف سے ہو گی۔

مُوَرِّث کی میراث کا وارث کی طرف منتقل ہونا، اس چیز کی بنیاد قرابت اور تعلق پر ہے، جبکہ کافر اور مسلمان کے مابین کوئی قرابت، تعلق اور دوستی نہیں ہے، لہذا ان میں سے ایک دوسرے کا وارث کیسے بن سکے گا، ان دو کے درمیان تو دین کی عداوت ہے، جو کہ دشمنی کی سب سے بڑی صورت ہے، لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان کافر کا یا کافر مسلمان کا وارث بن سکے۔ اس مانع پر دلالت کرنے والے چار دلائل درج ذیل ہیں: بعض فرائضی علماء نے اختلاف دین کے دلائل میں درج ذیل دو قرآنی آیات بھی پیش کی ہے۔

(1)...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَہْلِیْ﴾...... "اور نوح نے اپنے رب کو پکارا، پس کہا اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں سے ہے۔"[31] لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کے جواب میں فرمایا:﴿قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَہْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْٓ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰہِلِیْنَ﴾...... "فرمایا اے نوح! بے شک وہ تیرے گھر والوں سے نہیں، بے شک یہ ایسا کام ہے جو اچھا نہیں، پس مجھ سے اس بات کا سوال نہ کر جس کا تجھے کچھ علم نہیں۔ بے شک میں تجھے اس سے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے ہو جائے۔"[32] غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے کفر کی وجہ سے اس چیز کی نفی کر دی کہ وہ اپنے باپ کے خاندان کا فرد ہو۔

(2)...... سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:((لاَ یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلاَ الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ۔))...... "مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا۔"[33]

(3)...... سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((لَا یَتَوَارَثُ أَھْلُ مِلَّتَیْنِ شَتّٰی۔))...... "دو مختلف دینوں والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔"[34]

امام عظیم آبادی نے کہا: جمہور اہل علم کے نزدیک دو دینوں سے مراد اسلام اور کفر ہیں، اس طرح یہ حدیث سابق حدیث کے ہم معنی ہے، مختلف کفریہ ادیان والوں کا ایک دوسرے کا وارث بننا ثابت ہے، صرف امام اوزاعی اس حدیث کے عموم کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی عیسائی کا اور عیسائی یہودی کا وارث نہیں بنے گا، اسی طرح باقی ادیان والوں کی صورتحال ہو گی۔[35]

(4)...... سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! أَیْنَ تَنْزِلُ فِی دَارِکَ بِمَکَّۃَ؟ فَقَالَ: ((وَہَلْ تَرَکَ عَقِیلٌ مِنْ رِبَاعٍ أَوْ دُوْرٍ۔)) وَکَانَ عَقِیلٌ وَرِثَ أَبَا طَالِبٍ ہُوَ وَطَالِبٌ، وَلَمْ یَرِثْہُ جَعْفَرٌ وَلَا عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا، شَیْئًا لِأَنَّہُمَا کَانَا مُسْلِمَیْنِ، وَکَانَ عَقِیلٌ وَطَالِبٌ کَافِرَیْنِ۔...... اے اللہ کے رسول! آپ کل مکہ میں اپنے گھر میں کہاں اتریں گے؟ (یہ فتح مکہ کے موقع کی بات تھی)، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی محلہ یا مکان چھوڑا ہے۔" (ابو طالب کی موت کے موقع پر صرف) عقیل اور طالب کافر ہونے کی وجہ سے ابو طالب کے وارث بنے تھے اور سیدنا جعفر اور سیدنا علی رضی اللہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے وارث نہیں بن سکے تھے۔[36] ہجرت سے تین برس پہلے جب ابو طالب فوت ہوا، تو اس کے دو بیٹے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کے ترکہ سے محروم رہے، ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ اور اس کے دو بیٹے عقیل اور طالب اس کے ساتھ کفر پر قائم تھے، سو سارا ترکہ ان دونوں میں تقسیم کر دیا گیا، پھر جب غزوۂ بدر میں طالب مارا گیا تو عقیل ساری جائداد کا وارث بن گیا اور پھر اس کو بیچ دیا، بعد میں سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے۔ فقہاء نے اختلافِ دین کو بالاتفاق مانعِ میراث قرار دیا ہے، مسلمان اور کافر نسب اور نکاح کی بنا پر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ لیکن سیدنا معاذ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما، حسن بصری، ابن حنفیہ، محمد بن علی بن حسین اور مسروق کا نظریہ یہ ہے کہ کافر تو واقعی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، لیکن مسلمان کافر کا وارث بنے گا، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا:((اَلْإِسْلَامِ یَعْلُو وَلَا یُعْلَی۔))...... "اسلام غالب رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔"[37] سیدنا معاذ نے اپنے نظریے کے حق میں یہ دلیل بھی پیش کی: ہم اُن کی (یعنی اہل کتاب کی) عورتوں سے شادی کرتے ہیں، لیکن وہ ہماری خواتین سے شادی نہیں کر سکتے، اسی طرح ہم ان کے وارث بنیں

گے، لیکن وہ ہمارے وارث نہیں بن سکیں گے۔[38] لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہے، نیز ((اَلْاِسْلَامُ یَعْلُو)) والی حدیث اس رائے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام حجت اور غلبہ کے لحاظ سے غالب دین ہے، یعنی بالآخر تائید و نصرت اور غلبہ واقتدار مسلمان کا حق ہوتا ہے۔ امام احمد اور فقہائے حنابلہ نے اس معاملے میں وَلا کو ایک طرف سے مستثنیٰ قرار دیا اور کہا: مسلمان اپنے آزاد شدہ کافر کا وارث بنے گا، کیونکہ آپ ﷺ کا درج ذیل ارشاد عام ہے: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((فَإِنَّ الوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ-)) ...... "ولاء صرف آزاد کنندہ کا حق ہے۔"[39] لیکن یہ استثنا صحیح نہیں ہے، بڑی عجیب بات ہے کہ اسلام اور کفر کے فرق پر دلالت کرنے والی درج بالا احادیث کی وجہ سے آیات کے عمومات کی تخصیص کر دی گئی، لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی نہیں ہو سکی۔

ذہن نشین کر لیں کہ ہم پہلے باب میں یہ ذکر کر چکے ہیں کہ میراث کے اسباب تین ہیں: (1)...... نسب، (2)...... نکاح اور (3) ...... وَلاء۔ جبکہ فرائضی علماء کا اس حقیقت پر بھی اتفاق ہے کہ وَلاء میراث کا سبب ضرور ہے، لیکن نسب اور نکاح کی بہ نسبت کمزور ہے، اگر اسلام اور کفر کے فرق پر دلالت کرنے والی احادیث نے نسب اور نکاح کے رشتوں کو متاثر کر دیا تو وَلا کیسے مستثنیٰ رہے گا۔ راجح بات یہ ہے کہ اختلافِ دین سب ورثا کے لیے مانع ہے، ان کا سبب نسب ہو، یا نکاح، یا وَلا۔

مرتدّ کا حکم

مرتد وہ شخص ہے، جو اسلام چھوڑ کر کسی اور دین کی طرف منتقل ہو جائے، یا اسلام ترک کر دے اور کوئی اور دین اختیار نہ کرے۔ یہ مسئلہ تو اتفاقی ہے کہ مرتد کسی مسلمان کا وارث نہیں بنے گا، البتہ مسلمان کا مرتد کا وارث بننا، اس بارے میں اختلاف ہے:

حنفیہ کی رائے

امام ابو حنیفہ نے کہا کہ مرتد مرد کی حالتِ اسلام میں کی گئی کمائی کے وارث اس کے مسلم ورثاء بنیں گے اور حالتِ ارتداد میں کی گئی کمائی کا حکم مالِ فے کا ہو گا اور اس کو بیت المال میں جمع کروا دیا جائے گا اور مرتد خاتون کا سارا ترکہ اس کے مسلم ورثاء کو ملے گا۔[40] لیکن صاحبین نے مرتد مرد و زن میں فرق نہیں کیا اور کہا کہ ان دونوں کا ترکہ ان کے مسلم ورثاء میں تقسیم ہو گا۔

جمہور یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے

ان حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ مرتد، اصلی کافر کی طرح ہے، لہٰذا یہ وارث بن سکتا ہے نہ مورث، اس کا ترکہ بطورِ مالِ فے بیت المال میں جمع کروا دیا جائے گا، اگر یہ دوبارہ مشرف باسلام ہو گیا تو اپنے مال کا مالک قرار پائے گا۔ ابن رشد (م 595ھ) نے کہا: (جمہور) کی رائے کی دلیل احادیث کا عموم ہے اور حنفیہ کی دلیل قیاس کے ذریعے اس عموم کی تخصیص کرنا ہے، ان کا قیاس یہ ہے کہ مرتد کے رشتہ دار دو اسباب کے ذریعے اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں، ایک اسلام اور ایک قرابت، جبکہ باقی مسلمانوں کا اس کے ساتھ صرف اسلام کا تعلق ہے۔[41] اگرچہ مرتد اور اصلی کافر کے بعض احکام میں کچھ فرق ہے، لیکن ذہن نشین رہے کہ مرتد ایسا کافر ہے کہ اس کے احکام عام کافر کی بہ نسبت سخت ہیں، عام کافر کو اس کے دین پر برقرار رہنے دیا جاتا ہے، لیکن مرتد کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کو اس کے دین پر برقرار نہ رہنے دیا جائے، بلکہ اس کو قتل کر دیا جائے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ-)) ...... "جو اپنا دین بدل دے، اس کو قتل کر دے۔"[42] بہر حال اسلام کے مقابلے میں دونوں کافر ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے مسلم اور کافر کے مابین عدم توارث کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ ان کے ما

بین کوئی قرابت، تعلق اور دوستی نہیں ہے، بلکہ ان دو کے درمیان تو دین کی عداوت ہے، جو کہ دشمنی کی سب سے بڑی صورت ہے، مرتد کے حق میں بھی یہی وجوہات موجود ہیں، بلکہ کافر کی بہ نسبت مرتد پر افسوس بھی زیادہ ہوتا ہے اور اس کی نفرت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ کوئی بندہ اس کو منہ لگا کے راضی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اختلافِ دین کے بارے میں ہم نے جن چار دلائل کا سہارا لیا ہے، جمہور کے نظریے کے مطابق مرتدؔ کو بھی ان ہی کا مصداق بنایا جائے۔ واللہ اعلم۔

غیر مسلموں کی توریث

دنیا میں اسلام کے علاوہ مختلف مذاہب اور ادیان موجود ہیں، سوال یہ ہے کہ ان کی توریث کے بارے میں اسلام کی رائے کیا ہے؟ جواباً مختلف اسلامی مسالک کی مختلف آراپیش کی جاتی ہیں: ابن رشد (م 595ھ) نے کہا: اس امر پر تو اہل علم کا اجماع ہے کہ ایک مذہب کے پیروکار ایک دوسرے کے وارث بنیں گے، اختلاف مختلف مذہبوں کے پیروکاروں کی توریث میں ہے، امام مالک اور ایک جماعت کا نظریہ ہے کہ مختلف ادیان والے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں، جیسے یہودی اور عیسائی، امام احمد اور ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے: سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتّٰى-)) ...... "دو مختلف دینوں والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔" لیکن امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام ابو ثور، امام ثوری اور امام داود وغیرہ کا نظریہ یہ ہے کہ سب کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے: سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ-)) ...... "مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا۔" اس حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ مسلمان مسلمان کا اور کافر کافر کا وارث بن سکے گا، لیکن اس مفہوم کی روشنی میں یہ بات کرنا کمزور ہے اور خاص طور پر اس مقام پر۔ جبکہ قاضی شریح، ابن ابی لیلی اور ایک جماعت کے نزدیک کل تین ملتیں ہیں: ایک ملت عیسائی، یہودی اور صابی ہیں، ایک ملت مجوسی اور وہ لوگ ہیں، جن کے پاس آسمانی کتاب نہیں ہے اور ایک ملت اسلام ہے، ان تین ملتوں کے مابین رشتہ توارث قائم نہیں ہو سکتا۔ ابن ابی لیلی سے امام مالک کے قول کی طرح کی رائے بھی مروی ہے۔[43]

شوافع اور احناف نے اپنے حق میں درج ذیل دلائل بھی پیش کیے ہیں:

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ ...... "اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں۔" (سورۂ انفال: 73) اس آیت سے ثابت ہوا کہ اسلام کے علاوہ سب ملتیں گویا ایک چیز ہیں، اس لیے سب ایک دوسرے کے وارث بھی بنیں گے۔ لیکن اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کافر ایک دوسرے کے حمایتی اور مددگار ہیں، ان کا یہ گٹھ جوڑ سیاست پر مبنی ہوتا ہے، رہا مسئلہ دین اور ملت کا تو ہر کوئی نہ صرف اپنے دین کا پابند ہے، بلکہ دوسرے کے دین کا مخالف بھی ہے، اس آیت سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ ان کا دین اور مذہب ایک ہے، عصر حاضر میں تمام تہذیبوں اور ملتوں کا مشاہدہ کریں، کون کس کے ساتھ ملا ہوا ہے، اسلام کے مقابلے میں کافروں کا اتفاق کیسا ہے، کافروں کی آپس کی دشمنیاں کیسی ہیں اور بعض کفر گاہوں کی اسلامی ممالک کے ساتھ دوستیاں کیسی ہیں، گٹھ جوڑ کی کئی صورتیں ہیں، کبھی ان کا مقصود اہل اسلام کی مخالفت ہوتی ہے اور کبھی اسلام کے علاوہ کوئی اور تہذیب ٹارگٹ میں ہوتی ہے۔

اور امام مالک کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ہَادُوْا وَالصّٰبِــئِیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُـوْٓا اِنَّ اللہَ یَفْصِلُ بَیْنَہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ۔﴾...... ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصاریٰ اور مجوس اور وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا یقیناً اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔''(سورۂ حج: 17)وجۂ استدلال یہ ہے کہ حرف عطف کے ذریعے مختلف ملتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور عطف عام طور پر مغایرت پر دلالت کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سب مختلف ملتیں اور مذاہب ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالَتِ الْیَہُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَہُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ وَّ ھُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِہِمْ فَاللہُ یَحْکُمُ بَیْنَہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ۔﴾...... ''اور یہودیوں نے کہا نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں اور نصاریٰ نے کہا یہودی کسی چیز پر نہیں ہیں، حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں، اسی طرح ان لوگوں نے بھی جو کچھ علم نہیں رکھتے، ان کی بات جیسی بات کہی، اب اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔''(سورۂ بقرہ: 113)وجۂ استدلال یہ ہے کہ دوسری ملتوں کے پیروکار تو ایک دوسرے کے مذہب کی نفی کر رہے ہیں اور ہم ان کو ایک ملت سمجھتے ہیں۔

ہماری رائے کے مطابق امام مالک کا نظریہ اقرب الی الصواب ہے، اسلام کے مقابلے میں غیر مسلموں کی کئی ملتیں اور مذاہب ہیں اور ان کی آپس میں سخت مذہبی مخالفتیں قائم ہیں، یہ الگ بات ہے کہ حق اور ناحق کو دیکھیں تو اسلام حق ہے اور باقی سب کچھ ناحق ہے، لیکن ناحق کی بھی کئی صورتیں موجود ہیں۔ اس موضوع کے متعلقہ سب سے اہم دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ((لَا یَتَوَارَثُ أَھْلُ مِلَّتَیْنِ شَتّٰی۔))...... ''دو مختلف دینوں والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔''

اس حدیث میں عموم پایا جاتا ہے، ہم کسی بیّن دلیل کے بغیر اس کی تخصیص نہیں کر سکتے، اس عموم سے امام مالک کے نظریے کی تائید ہوتی ہے، باقی دلائل میں احتمال پایا جاتا ہے۔ ابن قدامہ (م 620ھ) نے کہا: ومفھوم قولہ علیہ السلام ((لَا یَتَوَارَثُ أَھْلُ مِلَّتَیْنِ شَتّٰی۔)) ان اھل الملۃ الواحدۃ یتوارثون۔...... نبی کریم ﷺ کے اس قول ''دو مختلف دینوں والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔'' کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ملت و مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔[44] نیز اگلے عنوان ''اختلافِ دار'' کے آخر میں ابن قدامہ کا مذکورہ قول بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(4)......اختلافِ دار

''دار'' سے مراد ایسا ملک اور وطن ہے کہ جس کی اپنی خاص فوج اور مستقل بادشاہ ہو۔ اختلافِ دار سے مراد یہ ہے کہ وارث اور مُورِّث کے ممالک الگ الگ ہوں، ہر ایک کے ملک کی خاص فوج اور مستقل بادشاہ ہو، جیسے پاکستان اور انڈیا۔ اس مانع کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں وارث اور مُورِّث کے مابین ایک دوسرے کا تحفظ منقطع ہو جاتا ہے۔ سراج الدین سجاوندی (م فی حدود 600ھ وقیل سنۃ 700ھ) نے کہا: واختلاف الدارین، اما حقیقۃ کالحربی والذمی، او حکما کالمستأمِن والذمی، او الحربیےن من دارین مختلفین، والدار انما تختلف باختلاف المَنَعَۃ والملِک لانقطاع العصمۃ فیما بنیھم۔...... اور (چوتھا مانع) اختلافِ دارین ہے، یہ حقیقی ہو، جیسے حربی اور ذمی، یا حکمی ہو، جیسے مستأمن اور ذمی (جو ایک ملک میں رہ رہے ہوں)، یا مختلف دو ممالک کے دو حربی، اختلافِ دارین کا دارومدار لشکر اور بادشاہ کے الگ الگ ہونے پر ہے، کیونکہ اس صورت میں ایک دوسرے کا تحفظ منقطع ہو جاتا ہے۔[45] یہ مانع صرف حنفیہ کے

ہاں معتبر ہے، لیکن ذہن نشین رہے کہ احناف کے ہاں اس مانع کا تعلق صرف غیر مسلم وارث و مُورِّث افراد کے ساتھ ہے، احناف نے خود بھی اپنی فقہی کتب میں اس امر کی وضاحت کی ہے، جیسا کہ ابن عابدین (م1252ھ) نے کہا: ای اختلاف الدار لا یؤثر فی حق المسلمین کما عامۃ الشروح حتی ان المسلم التاجر او الاسیر لو مات فی دار الحرب ورث منہ ورثتہ الذین فی دار الاسلام۔...... اختلافِ دار مسلمانوں کے حق میں مؤثر نہیں ہے، جیسا کہ عام شروح میں ہے، یہاں تک کہ اگر مسلمان تاجر یا قیدی دار الحرب میں فوت ہوتا ہے تو دار الاسلام میں سکونت پذیر اس کے ورثا اس کے وارث بنیں گے۔[46] رہا مسئلہ مسلمانوں کا، تو تمام اسلامی ممالک ایک وطن کی طرح ہیں، بیشک نظام مختلف ہوں، رابطے منقطع ہوں اور فاصلے زیادہ ہوں، بلکہ دار الحرب میں رہنے والے مسلم حضرات کا رشتۂ توارث بھی صرف ان کے مسلم ورثاء کے ساتھ ہوگا، وہ ان کے ساتھ دار الحرب میں رہتے ہوں یا دارالاسلام میں، گویا تمام مسلمان ہم مذہب ہونے کے ساتھ ساتھ ہم وطن بھی ہیں، اسلام کا رشتہ سب دوریوں کو ختم کر دیتا ہے۔ سراج الدین کی پیش کی گئی صورتیں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

حربی: جو دار الحرب کا باشندہ ہو۔

ذمی: وہ شخص جس سے معاہدہ کرکے اس کے جان ومال، عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا ہو، جو ملک جس شخص سے ایسا عہد وپیمان کرے گا، وہ اسی کا باشندہ قرار پائے گا۔

مستأمن: وہ کافر جو تجارت وغیرہ کی غرض سے کچھ وقت کے لیے دوسرے ملک میں رہ رہا ہو۔ (مستأمن، حربی کے حکم میں ہوتا ہے)۔

اختلافِ دار کی تین انواع ہیں:

(1)...... **حقیقی اور حکمی:** جن کی قومیت (یعنی نیشنلٹی) اور اقامت دونوں چیزیں مختلف ہوں، مثلاً وارث و مُورِّث میں سے ایک دار الحرب کا باشندہ ہو اور دوسرا دار الاسلام میں بحیثیتِ ذمی رہ رہا ہو اور دونوں فی الحال اپنے اپنے ملک میں رہ رہے ہوں، ایسی صورت میں اگر ان میں سے ایک مر جائے تو دوسرا اس کا وارث نہیں بنے گا۔

(2)...... **حکمی:** جن کی قومیت تو مختلف ہو، لیکن وہ بظاہر ایک ملک میں رہ رہے ہوں، جیسے وارث و مُورِّث میں سے ایک دار الاسلام میں بطورِ ذمی رہ رہا ہو اور دوسرا دار الحرب کا باشندہ ہو، لیکن فی الحال وہ بھی بطورِ مستأمن ذمی کے ملک میں رہ رہا ہو، اب حقیقتاً تو وہ ایک مالک میں رہ رہے ہیں، لیکن ان کا حکم مختلف ہے۔ یاد رہے کہ مستأمن حربی کے حکم میں ہوتا ہے اور ذمی جس ملک میں رہ رہا ہو، اسی کا باشندہ ہوتا ہے، اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دو بھائی عیسائی ہیں، ان میں سے ایک کی نیشنلٹی انگلینڈ اور دوسرے کی جرمنی کی ہے، جبکہ دونوں فی الحال بطورِ مستأمن پاکستان میں رہ رہے ہوں، تو یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکیں گے، کیونکہ دونوں کا حکم مختلف ہے۔

(3)...... **حقیقی:** جن کی قومیت ایک ہو، لیکن وہ دو مختلف ملکوں میں رہ رہے ہوں، جیسے جرمنی کے دو عیسائی باشندوں میں سے ایک انڈیا میں اور دوسرا پاکستان میں رہ رہا ہو، ایسے وارث و مُورِّث ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔

پہلی دو قسمیں قومیت کے مختلف ہونے کی وجہ سے مانع ہیں، گویا مانع ہونے کا دارومدار قومیت اور نیشنلٹی پر ہے۔ حنابلہ کے ہاں اختلافِ دار، موانع میراث میں سے نہیں ہے، جیسا کہ منصور بن یونس بہوتی حنبلی (م1051ھ) کہتے ہیں: اختلاف

الدارين ليس بمانع فيتوارث الحربى والذمى والمستأمن إذا اتحدت أديانهم لعموم النصوص۔ ......اختلافِ دارین مانع نہیں ہے، اس لیے حربی، ذمی اور مستأمن ایک دوسرے کے وارث بنیں گے، بشرطیکہ ان کا دین ایک ہو، عام نصوص کا یہی تقاضا ہے۔[47] یہی نظریہ مالکیہ کا ہے، شوافع کے ہاں بھی اختلاف دار مانع نہیں ہے، لیکن پہلی قسم میں وہ حنفیہ کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں، جیسا کہ غمراوی (م بَعْدَ 1337ھ) نے کہا: لکن المشهور أنہ لا توارث بين حربى وذمى لانقطاع الموالاة بينهما۔......[48] ہماری رائے یہ ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک راجح ہے، کیونکہ جن نصوص کی روشنی میں غیر مسلموں میں توارث ثابت کیا جاتا ہے، ان میں اختلافِ دار کا اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا، لہذا بغیر دلیل کے ان کے عمومات کی تخصیص نہ کی جائے، جیسا کہ ابن قدامہ (م620ھ) نے کہا: وقياس المذهب عندى ان الملة الواحدة يتوارثون وان اختلفت ديارهم، لان العمومات من النصوص تقتضى توريثهم ولم يرد بتخصيصهم نص، ولا اجماع، ولا يصح فيهم قياس، فيجب العمل بعمومها۔...... میرے نزدیک ہمارے مذہب کے قانون کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دین کے پیروکار آپس میں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے، اگرچہ ان کے اوطان و ممالک مختلف ہوں، کیونکہ نصوص کے عمومات ان کی توریث کا تقاضا کرتے ہیں اور کسی نص اور اجماع ان کی تخصیص وارد نہیں ہوئی اور ان کے بارے میں قیاس کرنا بھی درست نہیں ہے، لہذا نصوص کے عموم پر عمل کرنا واجب ہے۔[49]

خلاصۂ بحث

ایک وارث کو اس کے ذاتی وصف کی بنا پر کلی طور پر یا اس کو کسی دوسرے وارث کی وجہ سے جزوی یا کلی طور پر ترکہ سے محروم کر دیا جائے، پہلی صورت کو "حجب بالوصف" اور دوسری قسم کو "حجب بالشخص" کہتے ہیں۔ "موانع ارث" میں "حجب بالوصف" کے موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جاتی ہے۔ یہ موضوع، بلکہ سارا "علم میراث" خالص مذہبی اور عملی چیز ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں چند عبادات کو کامل دین سمجھتے ہوئے ان مذہبی ہدایات پر عمل کرنے میں اس بہت غفلت پائی جاتی ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بڑا سرمایہ چھوڑ کر فوت ہونے والے کی فوتگی کے چند دن بعد اس کے لواحقین میں بے چین کر دینے والا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، لہذا اس جہت کے بعض پہلوؤں کی درستی کے لیے اس مضمون کا انتخاب کیا گیا۔ اردو زبان میں لکھی جانے والی تالیفات و تصنیفات میں متعلقہ مسلک کی آراء کے مطابق اختصار کے ساتھ "موانع ارث" کا ذکر کیا جاتا ہے، ہم نے نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں اس عنوان کے جملہ احکام و مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے تمام ائمہ و فقہاء کی آراء کا ذکر کیا اور پھر ان کے مابین تقابل اور مقارنہ کرتے ہوئے راجح رائے کا تعین بھی کیا، "موانع ارث" کتنے اور کون کون سے ہیں؟ یہ اصولیین اور فقہاء کے مابین اچھا خاصا مختلَف فیہ مسئلہ ہے، البتہ تمام اہل علم کا اِن تین موانع پر اتفاق رہا ہے: غلامی، قتل اور اختلافِ دین۔ اس مضمون میں معتبر موانع کا بسط و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

References

[1] 'Alī Ibn Muhammad Ibn 'Alī JurJānī Kitāb al-Ta'rīfāt (Beirūt: Dār al-Kitāb al-'Arbī, 1423AH), 158.
[2] Dr. Wahbah Ẓuhailī, Al-Fiqh al-IslāmI wa idlathū (Dimishaq: Dār al-Fikar, 1425AH), 10: 7709.
[3] Aḥmad Ibn Muhammad Aḥmad Ibn Ja'far Qudūrī, Mukhtṣar al-Qudūrī Fī al-Fiqh al-Ḥanfī (Dār al-Kutub al-'Ilmiyah, 1418AH), 245.

[4] Ẓuhailī, Al-Fiqh al-IslāmI wa idlathū, 10: 7710-7711.
[5] JurJānī Kitāb al-Ta'rīfāt, 158.
[6] Mālik Ibn Anas, Mauṭā Imām Mālik, 2: 617.
[7] Ṣāliḥ Ibn Faẓān, Al-Taḥqīqāt al-Marḍiyāh Fī al-Mabāḥith al-Farḍiyah (Saudi Ārab: Jām'ia Imām Muhammad Ibn Sa'ud, 1400AH), 48.
[8] Mālik Ibn Anas, Mauṭā Imām Mālik, 2: 780.
[9] Sharaf al-Ḥaq Muhammad Ashraf Ibn Amīr 'Aẓīm Ābādī, 'Aun al-Ma'būd (Beirūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyah, 1415AH), 10: 303.
[10] Imām Abū Dāoud, Sunan Abū Dāoud, 3926.
[11]'Aẓīm Ābādī, 'Āun al-Ma'būd, 10: 303.
[12] 'Aẓīm Ābādī, 'Āun al-Ma'būd, 10: 3927.
[13]Imām Aḥmad Ibn Ḥanbal, Musnad Aḥmad, 11: 3423.
[14] Abū Dāowd, Sunan Abū Dāoud, 4582.
[15] 'Aẓīm Ābādī, 'Āun al-Ma'būd, 12: 209.
[16] Ibn Ḥanbal, Musnad Aḥmad, 26473.
[17] Maofiq al-Dīn Abū Muhammad Ābdullah Ibn Aḥmad Qudāmah, Al-Mughanī (Qāhira: Hajar, 1413AH), 9: 126.
[18] Abū Muhammad 'Alī Ibn Aḥmad Ibn Saeed Ibn Ḥazam, Al-Muḥalī (Bierūt: Dār Aḥyā al-Turāth al-Arbī, 1430AH), 10: 84, 124.
[19] 'Alī Ibn Sultān Muhammad Qārī, Mirqāt al-Mafātīḥ Mishkāt al-Maṣābīḥ (Beirūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyah, 1422AH), 6: 523.
[20] Ṣālḥ Ibn Faozān, Al-Taḥqīqāt al-Marḍiyah Fī al-Mabāḥath al-Farḍiyah (Saudi 'Arab: Jām'ia Imām Muhammad Ibn Saud Islāmiyah, 1400AH), 46.
[21] Ẓuhailī, Al-Fiqh al-IslāmI wa idlathū, 10: 7714.
[22] Imām Abū Dāoud, Sunan Abū Dāoud, 4564.
[23] Mālik Ibn Anas, Mauṭā Imām Mālik, 2: 867.
[24]Ibn-e-Qudāmah, Al-Mughanī, 9: 150.
[25] Ibn-e-Mājah, Sunan Ibn-e-Majah, 2736.
[26] Shaib al-Anwāt, Ibn-e-Majah (Dār al-Risālah al-'Ālmiyah, 1430AH),2736.
[27] Aḥmad Ibn Yaḥyā Ibn al-Murtḍā, Al-Baḥar al-Ẓakhār al-Jāmi Lī Maẓāhab 'Ulmā al-Amṣār (Bierūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyah, 1422AH), 6: 551.
[28]Sulemān Ibn Aḥmad Ṭabrānī, Al-Mujam al-Kabīr (Qahirah: Maktbah Ibn-e-Taimiya, 1415AH), 17: 110.
[29] Muhammad Ibn Ṣāleḥ, Al-Sharḥ al-Matma Alā Zād al-Mustqa'(Damām: Dār Ibn-e-Jaozī, 1432AH), 11: 319.
[30]Al-Nisā 4: 92.
[31] Hūd 11: 46.
[32]Hūd 11: 46.
[33] Mālik Ibn Anas, Mauṭā Imām Mālik, 2: 519.
[34] Imām Aḥmad, Musnad Aḥmad, 6664.
[35] 'Aun al-Mabūd, 2: 1314.
[36] Mālik Ibn Anas, Mauṭā Imām Mālik, 2: 519.
[37] Nāṣar al-Dīn Al-Bānī, Manār al-Sabīl (Beirūt: Al-Maktab al-Islāmī, 1405AH), 1268.
[38] Ibn-e-Qudāmah, Al-Mughan, 9: 156.
[39] Mālik Ibn Anas, Mauṭā Imām Mālik, 2: 780.

[40] Ibn-e-'Abidīn Shāmī, Ḥāshiyah Rad al-Muḥtār (Karachi: H.M Saeed company, 1406AH), 6: 767.
[41] Muhammad Ibn al-Qurṭabī ; Ibn-e- Rushud, Badāyat al-Mujthid (Urdan: Bait al-Afkār), 884.
[42] Imām Shāf'ī, Musnad Imām Shāf'ī, 2: 86.
[43] Ibn-e- Rushud, Badāyat al-Mujthid, 884.
[44] Ibn-e-Qudāmah, Al-Mughan, 9: 157.
[45] Muhammad Ibn Abdul Rashīd Sajāwandī, Al-Farāiḍ al-Sarājiya (Karachi: Maktbah Ludhyānvī, 1437AH), 8, 9.
[46] Shāmī, Ḥāshiyah Rad al-Muḥtār, 5: 542.
[47] Manṣūr Ibn yūnus Bahūtī, Al-Rauḍ al-Marba' Sharḥ ẓād al-Mustqa' Fī Ikhtṣār al-Maqa' (Beirūt: Dār al-Fikar), 1: 323.
[48] Muhammad Zahrī, Al-Sirāj al-Wahāj Alā Matan al-Minhāj (Shirkat Maktbah Muṣṭfā al-Ḥalbī, 1352AH), 329.
[49] Ibn-e-Qudāmah, Al-Mughan, 9: 157.